سلیم تابانی

وہ مردِ درویش

نہ جانے میں کس خیال میں تھا کہ خطیبِ جادو بیان اور مقررِ شیوہ نوا رئیس الاحرار امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سُن کر ایک بیکراں سکوت کے عالم اور ہیبت ناک سناٹے کے سمندر میں کھویا ہوا جب شاہ جی کی زندگی کے چالیس سالہ شبانہ روز رفیق شیخ حسام الدین کی طلب میں نکلا۔ کہ شاہ جی کے انتقال کی خبر کی تصدیق کر سکوں تو مجھے گوالمنڈی کے میلاد النبی ﷺ کی تقریب کے لئے سجے ہوئے در و دیوار اور جیسے کسی میلے میں شریک انسانوں کی بھیڑ بھی ایک شہرِ خموشاں محسوس ہوئی مجھے یوں لگتا تھا جیسے لوگوں سے آج ان کی قوتِ گویائی اور طاقتِ بیانی چھین لی گئی ہے۔

شاہ جی کے دیرینہ رفیقوں میں شیخ حسام الدین کو ایک خاص درجہ حاصل ہے وہ کم و بیش چالیس سال شاہ صاحب کے رفیقِ زندگی رہے ہیں۔ اور اس اثنا میں بہت کم لمحے آئے ہیں جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہوں۔ ان دونوں بزرگوں نے برطانوی سامراج کے خلاف جنگ کرتے ہوئے متعدد بار جیل کی کال کوٹھڑی کو رونق بخشی۔ لیکن شیخ صاحب کے قول کے مطابق ان کی زندگی میں صرف چار مواقع ایسے آئے ہیں جب انہیں زنداں کے در و دیوار میں بھی شاہ جی کی مصاحبت نصیب رہی ہے۔

۱۸ اگست کو شاہ جی ابھی بقیدِ حیات تھے۔ شیخ صاحب ان کی تشویشناک حالت کی خبر سن کر عیادت کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ اور اسی شام کو جب واپس لاہور پہنچ گئے۔ تو ایک گونہ دل کو تسلی ہوئی کہ شیخ صاحب کا اتنی جلدی ملتان سے واپس چلے آنا ضرور شاہ جی کی طبیعت کی بحالی کی غمازی کرتا ہے۔ انہی خوش کن خیالات کی رو میں بہتا ہوا شاہ جی کی صحت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے جب شیخ صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ گاؤ تکیئے پر ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کے سرخ و سپید بوڑھے چہرے پر حزن و ملال کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا رہے تھے۔ میرے دریافت حال پر انہوں نے کروٹ لی۔ اور بمشکل تمام آنسوؤں کو روکتے ہوئے کپکپائی آواز میں گویا ہوئے۔ کہ

"کیا بتاؤں بھئی شاہ جی کی طبیعت کیسی ہے۔ میں آج ان کے پاس اس لئے نہیں ٹھہر سکا۔ کہ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں گئی۔ آہ خطیبِ شیوہ بیان۔ وہ مقررِ نکتہ سنج جو ہزاروں نہیں لاکھوں کے مجمع میں اکیلے ہی بولے چلا جاتا تھا گھنٹوں نہیں پہروں بلکہ اگر جائز ہوتا تو دنوں، ہفتوں اور مہینوں وہ مسلسل بولے چلا جاتا۔ اور کسی کو اس کی تقریر میں بولنے تو کیا کروٹ لینے کی مجال نہ ہوتی۔ آج ایک تصویرِ حیرت ہے۔ وہ عطاء اللہ شاہ بخاری جس کی موجودگی میں بڑے بڑے

مقرر تقریر کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ آج اپنے تیمار داروں اور ہمدردوں کو دیکھتا ہے پر نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے۔ اور نہ ہی اپنی قلبی کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ اس نے زندگی کا ایک طویل عرصہ تبلیغ اسلام اور عشقِ رسول کی لگن میں گذارا ہے۔ اور آج مایوسی و دل شکستگی کے عالم میں پکار رہا ہے۔

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

اتنا کہنے کے بعد شیخ جی نے اپنے آپ کو کچھ سنبھالا اور شاہ جی کی زندگی کے جلی عنوانات پر گفتگو کا آغاز کر دیا۔

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال کے ساتھ شاہ جی کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے بتایا کہ کبھی کبھار ہم جب لاہور میں قیام پذیر ہوتے تو میری یا کسی دوسرے کی خواہش پر شاہ جی ہمارے ساتھ علامہ کے ہاں چلتے اور جب علی بخش کی زبانی علامہ کو شاہ جی کی آمد کا پتہ چلتا تو وہ جیسے لباس میں بھی اندر بیٹھے ہوتے اٹھ کر جلدی سے باہر چلے آتے۔ اور آتے ہی شاہ جی سے کہتے

"شاہ جی آپ اس طرح تشریف لا کر مجھے شرمندہ کیوں کر دیتے ہیں۔ کم از کم اپنی آمد سے پہلے مجھے اطلاع تو کر دیا کریں۔

اس پر شاہ جی اپنے مخصوص انداز میں فرماتے۔

"ڈاکٹر صاحب آپ کو نہیں معلوم ہماری نظر میں آپ کیا ہیں۔ میں ایک فقیر ہوں اور فقیر یہاں اپنی کٹیا میں آتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ فقیر کو اپنی کٹیا میں اسی طرح بے تکلف چلے آنا چاہیئے۔"

"نہیں شاہ جی میں کس کام کا آدمی ہوں۔ آپ تو مجاہد ہیں کہ تبلیغ اسلام ایسے نہایت ہی اہم اور اس دور میں دشوار ترین فریضے کو انجام دیتے ہیں۔"

علامہ کے یہ ارشادات سن کر شاہ جی صرف کہتے کہ "ڈاکٹر صاحب! ہم مبلغ بھی تو آپ ہی کے ہیں" اور سلسلہ کلام کو قطع کرنے کے لئے علامہ سے شعر سنانے کی فرمائش کر دیتے۔

علامہ کے معتمد اور مشہور خدمت گزار بابا علی بخش نے اس ضمن میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ

"شاہ جی اکثر علامہ کو ملنے آیا کرتے تھے۔ اور ان کی آپس میں گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات استوار ہیں۔ بابا علی بخش کہنے لگے۔ کہ ایک دفعہ میں ریل میں سوار پانی پت کو جا رہا تھا۔ کہ راستے میں شاہ جی بھی گاڑی کے اس ڈبے میں سوار ہو گئے سلام و دعا کے بعد سب سے پہلے تو انہوں نے مجھ سے علامہ کے حالات دریافت کئے۔ اور پھر فرمانے لگے۔ علی بخش تجھے خبر نہیں کہ ہم جو کچھ اپنی تقریروں میں کہتے ہیں وہ علامہ ہی کے افکار ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہی بات جب ہم سٹیج پر کہتے ہیں تو انگریز کی نظر میں گردن زدنی ٹھہر جاتے

ہیں جو علامہ اشعار کی صورت میں فرما دیتے ہیں اور انہیں کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

یہاں شیخ صاحب نے اس امر پر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ علامہ کی وفات کے بعد ان سے اپنا رابطہ ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے کیا کیا نہیں لکھا۔ اور چونکہ ہمارا علامہ کے ہاں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ جس کی بنا پر ہمیں معلوم ہے کہ علامہ کس قسم کے لوگوں سے تعلقات استوار رکھتے تھے۔ اس لئے بعض لوگوں پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ آخر انہیں ایسا کرنے میں کیا مزا ملتا ہے۔

کم و بیش ساٹھ سالہ شیخ حسام الدین اپنی فعال اور مرکز زندگی کے تجربات اور مشاہدات بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ

ایک انسان کی حقیقی تصویر دیکھنے کے لئے مسافرت اور معاملات کے علاوہ قید و بند کی رفاقت بھی بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اور قید خانہ بھی ایک گوشہ زندگی ہے۔ جس کے در و دیوار میں بڑھنے پھولنے والی دوستیاں اور نفرتیں بڑی مضبوط ہوتی ہیں۔ آدمی کسی کی مصاحبت میں دو چار دن اپنے آپ کو مصنوعی تکلفات کے لحافوں میں لپیٹے رکھ سکتا ہے لیکن چونکہ جیل کی رفاقت اتنی مختصر نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک نہ ایک دن مجبوراً آدمی کو یہ لبادہ اتار کر ننگا ہونا ہی پڑتا ہے اور پھر انسان کی حقیقی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے قید خانے میں بھی شاہ جی کی صحبتوں کے لطف اٹھائے ہیں وہ کبھی بھی انہیں فراموش نہیں کر سکیں گے۔

شاہ جی کی باغ و بہار اور شرعی احکامات میں ڈوبی ہوئی زندگی جیل کی چار دیواری میں اور اجاگر ہو جاتی تھی۔ وہ پنج وقتہ نمازوں اور اپنی قرآن خوانی کے اوقات کے علاوہ بیشتر بزم شعر و سخن اور بذلہ و طرب کی محفل سجا دیتے تھے۔ اور کیسے کیسے اشعار کس مزے سے سناتے تھے یہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور پھر جب لطیفہ گوئی پر آتے تو تاریخی واقعات کو ایسا لطیف رنگ دے کر بیان کرتے کہ یہ انہیں پر ختم ہو گیا۔

شاہ جی کی زندگی کا روشن ترین پہلو ان کی اسلام کے ساتھ شیفتگی اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کے جذبات میں پوشیدہ تھا۔ وہ زندگی کی ہر بڑی سے بڑی مصیبت اور تکلیف کا ہنستے کھیلتے مقابلہ کر جاتے تھے۔ لیکن جہاں اسلام اور حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے متعلق (معاذ اللہ) کسی نے غیر محتاط بات کہہ دی۔ شاہ جی اسی وقت شعلہ جوالا بن جاتے تھے اس معاملے میں وہ بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ بھی ٹکرا جانے میں اپنے آپ کو کمزور نہیں پاتے تھے۔ وہ جس طرح حضور پر نور ﷺ کے والہ و شیدا تھے۔ اسی طرح اسوہ حسنہ کے ساتھ بھی انہیں دلی لگاؤ تھا اور حتی المقدور شریعت کی جزئیات تک پر عمل پیرا رہتے تھے۔

شاہ جی کے اتباع شریعت کے کردار کے بارے میں شیخ حسام الدین نے حسب ذیل واقعہ سنایا تو ان کی پر اسرار آنکھوں میں آنسوؤں کے جگنو چمکنے لگے۔ اور دنیا کے انداز دیکھ دیکھ کر ان کے اکتائے اور تھکے

ہوئے چہرے پر حزن و ملال کے تہہ بہ تہہ بادل چھا گئے۔ فرمانے لگے

"کہ ابتداء میں جب شاہ جی کا میرے ساتھ تعلق خاطر بڑھا تو وہ مجھے نماز کی ادائیگی میں مداومت کی تلقین کرنے لگے۔ اور پھر جب میری عادات میں کچھ زیادہ تغیر نظر نہیں آیا تو یہ اصرار و ابرام یہاں تک بڑھا کہ جیل کی رفاقت میں ایک دن میرے سامنے بیٹھے ہوئے انہوں نے اپنی ٹوپی سر سے اتاری اور میرے پاؤں پر رکھ کر کہنے لگے۔ "حسام یہ ٹوپی کسی بڑے سے بڑے فرعون اور نمرود کے پیروں پر بھی نہیں پڑ سکتی۔ میری تم سے صرف یہی التجا ہے کہ اس ٹوپی کی شرم رکھ لو اور پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی نہ کیا کرو۔"

اس سلسلے میں شیخ صاحب نے بتایا کہ شاہ جی کے قرابت داروں میں سے کسی نے اپنی جوان لڑکیوں کو بے پردگی کی اجازت دیدی تو شاہ جی ایسے کبیدہ خاطر ہوئے کہ ان سے عمر بھر کے لئے علاقہ تعلق ختم کر دیا۔

یہاں پہنچ کر شیخ صاحب کے ذہن کے پردہ پر شاہ جی کی زندگی کے مختلف عنوانات ایک تصویر کی طرح چلنے لگے۔ اور وہ پھر بحر فکر میں ڈوب گئے۔ ایک طویل وقفے کے بعد جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو نہایت نومیدی و یاس کے ساتھ کہنے لگے۔ بس! باقی باتیں کسی دوسری نشست میں ہوں گی۔"

معلوم ہوتا تھا کہ شاہ جی کی شمع زندگی کے عنقریب ہی بھڑک اٹھنے کے اندیشے نے ان کے دل و دماغ کو جیسے سخت مضطرب اور بے چین کر دیا ہے اور اب ان میں تاب گفتار نہیں رہی ہے۔ میں نے ان سے اجازت لی اور بے کلی کے عالم میں انہیں تکیہ پر کروٹیں لیتے ہوئے چھوڑ کر اٹھ آیا۔

۲۱۔ اگست کی شام کو شاہ جی کے انتقال کی خبر فضاء کو سوگوار کر گئی تو میں نے لاکھ کوشش کی کہ شیخ صاحب سے مل کر اس گفتگو کو مکمل کر لوں۔ لیکن باوجود کہ شیخ صاحب ابھی لاہور ہی میں تھے۔ ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور وہ پریشان و خستہ حال ایسے کھوئے رہے کہ ان کی خبر تک نہیں لگ سکی کہ کہاں ہیں؟

حضرت امیر شریعت کی تجہیز و تکفین کے بعد ۲۳ اگست کو شیخ صاحب جب لاہور پہنچے تو انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا گویا وہ آج ملتان میں دامن جھاڑ آئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے شاہ جی کو ذرا بھی نزدیک سے دیکھا ہے۔ اور ان کی محفلوں کے مزے لوٹے ہیں ان کی ساری متاع حیات ہی شاہ جی کی ذات گرامی تھی۔ اور شاہ جی کے زیر زمین جاتے ہی ان کی نظر میں دنیا اگرچہ اندھیر ہو گئی۔ لیکن ان کے دلوں میں شاہ جی کی زندگی کے مشن کی شمعیں اور زیادہ نور دینے لگی ہیں۔

شاہ جی کے جنازے کے جلوس کی منظر کشی کرتے ہوئے متعدد بار شیخ صاحب کے ضبط و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوا۔ لیکن ان کی آنکھوں میں آنسو اب رہ ہی کہاں گئے تھے جو چھلک پڑتے۔ انہوں نے بتایا کہ ملتان کی سرزمین نے آج تک اتنا عوامی اجتماع نہیں دیکھا تھا۔ کراچی سے لے کر پشاور تک کے لوگ وہاں پہنچے ہوئے